ہندوستان میں بلاسودی بنک کاری

امکانات، رکاوٹیں اور طریقے*

ڈاکٹر ابوذر کمال الدین

اسلامی معاشیات کے ماہرین عرصہ سے موجودہ سودی نظامِ بنک کاری کے متبادل کے طور پر اسلام کے غیر سودی نظامِ بنک کاری کو پیش کر رہے ہیں۔ کسی وقت اسے ناممکن العمل سمجھا جاتا تھا لیکن اب یہ تجربات کے دور سے گزر رہا ہے۔ اس موضوع پر سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی میں بعض مقالات اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ پیشِ نظر مقالہ میں ڈاکٹر ابوذر کمال الدین نے ہمارے ملک ہندوستان کے پس منظر میں اس کے امکانات کا جائزہ لیا ہے۔ اس راہ کی دشواریوں اور رکاوٹوں سے بھی وہ باخبر ہیں۔ یہ موضوع مزید غور و فکر اور بحث کا طالب ہے۔ امید ہے معاشیات کے علماء اور ماہرین توجہ فرمائیں گے۔ (جلال الدین)

اسلام میں سود حرام ہے۔ یہ تصور ان مسلّمات میں سے ایک ہے جس پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ مسلمان ملکوں اور علاقوں پر نوآبادیاتی نظام کے قیام سے قبل پوری معیشت یعنی صنعت و تجارت، ملکی کاروبار، کم مدتی اور طویل مدتی قرضے، نجی ضروریات کے لیے لین دین بغیر سود کے ہوتے تھے۔

نوآبادیاتی نظام نے نئی تکنک، نئے ادارے اور لین دین کے نئے ذرائع پیدا کیے جس نے سماج، معیشت اور بازار کی پوری بناوٹ کو تبدیل کر دیا۔ آج محسوس ہوتا ہے کہ سود کے بغیر دنیا کا کوئی کاروبار یہاں تک کہ نجی لین دین بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں نے ایک عرصے تک اس سے بچنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے اس کا متبادل ڈھونڈنے کا اہتمام نہیں کیا۔ نتیجے کے طور پر مسلم ممالک

---

* یہ مقالہ الخیر چیریٹیبل ٹرسٹ، پٹنہ کے ذریعہ منعقدہ کارگاہ (Workshop) بہ عنوان 'بلاسودی کریڈٹ نظام' (Interest Free Credit System) ۲۰ / ۲۱ اگست ۱۹۹۹ء کو اے این سنہا انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ میں پڑھا گیا۔

اور مسلم آبادی بھی اس طرزِ معیشت میں ڈوبتی اور دھنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ بعض مسلم دانشوروں نے بھی بغیر گہرے غور و فکر کے سند یہ لیجے میں کہنا شروع کیا کہ اسلام کا معاشی نظام بالخصوص سود کی حرمت کا قانون فرسودہ ہو چکا ہے جو موجودہ ترقی یافتہ دور میں ناقابلِ عمل ہے۔ اس لیے ہمیں طوعاً و کرہاً موجودہ نظمِ معیشت اور اس کے اصولوں اور اداروں کو اسی طرح قبول کر لینا چاہیے جس طرح اس کے نافذین اور متبعین نے ہم تک پہنچائے ہیں۔ علماء نے اضطرار کے فتوے دئے اور اسے گوارا کیا جانے لگا۔

لیکن سود سے نفرت نے، جو ہمارے عقیدے اور مزاج کا حصہ ہے، اس صورتِ حال سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے اپنی دنیوی خوشحالی کو نظرانداز کر دیا لیکن سودی لین دین پر مبنی طریقوں کو اختیار نہیں کیا۔ جن لوگوں نے اس کو بحالتِ مجبوری اختیار بھی کیا ان کے دلوں میں ایک کھٹک اور کسک رہی۔ کوئی مناسب متبادل نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ان اداروں سے لین دین جاری رکھا جو سودی نظام کے تحت چلائے جا رہے ہیں۔

بینک دراصل سودی نظام کا ہی ایک تنظیمی ادارہ ہے۔ بلاشبہ یہ ادارہ اپنے گوناگوں مقاصد کے لحاظ سے آج کے پیچیدہ معاشی نظام کے لیے ایک مفید اور ناگزیر ادارہ ہے۔ لیکن سود کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اسے اختیار کرنے میں بڑی خرابیاں ہیں۔ اگر اس کو سود کی حرمت سے پاک کر دیا جائے تو اس سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ناگزیر ہے کہ آج کی معاشی دوڑ میں بھرپور حصہ لینے کے لیے ایسے اداروں کا قیام ہو۔

بات ۱۹۳۶ء کی ہے جب پہلی بار یہ تصوّر سامنے آیا کہ سود کے بغیر بھی بینک چلائے جا سکتے ہیں لیکن چونکہ یہ ایک ابتدائی خاکہ تھا جو پورے بینکنگ نظام کو جانے بغیر چند موٹی موٹی باتوں کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا تھا اس لیے یہ متبادل نہیں بنا۔ البتہ سوچ کو ایک نیا سمتِ سفر ضرور ملا۔ دھیرے دھیرے پچھلے پچاس ساٹھ سال میں اس موضوع پر اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب اصولی طور پر اس کی معنویت کو عالمی بینک (World Bank) اور آئی ایم ایف (International Monetary Fund) جیسے اداروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف ملکوں میں بینکنگ سیکٹر کو اسلامیانے کا عمل چل رہا ہے اور ایک سو سے زاید بینک آزادانہ طور پر دنیا کے مختلف ملکوں میں قائم ہو چکے ہیں جو سود کی لعنت سے پاک ہیں ان میں عرب دنیا کے علاوہ امریکہ، لاطینی امریکہ، افریقہ، ایشیا اور یورپ کے ممالک شامل ہیں

دنیا نے اس نئے تجربے کو علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں اسلامی معیشت اور اس سے متعلق موضوعات پر تحقیقی کام ہو رہے ہیں اور عملی

تجربات کا سلسلہ ابھی چل رہا ہے۔ اگرچہ یہ کوششیں ابتدائی ہی کہی جاسکتی ہیں جو موجودہ نظام کا متبادل تو نہیں ہیں، لیکن ان کی سمت و رفتار ایسی ہے کہ اگر تسلسل اور محنت سے ان پر کام کیا گیا تو یہ نئی صدی میں ایک نئے معاشی نظام کی بنیاد بن سکتی ہے۔

ہندوستان مختلف مذاہب اور مشترک تہذیبوں کا ملک ہے جہاں مسلمان دوسری بڑی اکثریت ہیں۔ اسلامی تہذیب کے مراکز میں عرب اور ایران کی طرح ہندوستان بھی ایک اہم مرکز ہے۔ چنانچہ فکرِ اسلامی کی اشاعت میں ہندوستان کا خاص حصہ رہا ہے۔ بلاسودی بنک کاری کا ابتدائی تصوّر ہندوستانی علماء اور دانشوروں نے ہی سب سے پہلے پیش کیا تھا[1]۔ ۱۹۶۳ء میں مصر میں اس کا پہلا تجربہ کیا گیا[2]۔ ۱۹۷۵ء میں IDB (Islamic Development Bank)[3] کے قیام کے بعد اسلامی بنک کاری کا نیا اور بین الاقوامی دور شروع ہوا۔ ہندوستان کے بنکنگ قانون میں اگرچہ بلاسودی بنک کے قیام کی اجازت نہیں ہے پھر بھی ملک کے طول وعرض میں ایسے ادارے سیکڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں

---

[1] کسی ماہرِ اقتصادیات کی لکھی ہوئی اسلامی بنک کاری کے موضوع پر پہلی کتاب شائع کرنے کا امتیاز اردو زبان کو حاصل ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی: غیر سودی بنک کاری، جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ انگریزی میں اس کا ایک ترجمہ ۱۹۸۳ء میں برطانیہ سے منظرِ عام پر آیا۔ ویسے اس موضوع پر پہلی کتاب کا سراغ ۱۹۴۰ء میں ملتا ہے جو ڈاکٹر محمد عزیز نے لکھی کتاب کا نام۔ The Interestless Banking ہے اور اس کے صفحات چالیس (۴۰) ہیں۔

[2] اسلامی بنک کاری کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا تجربہ مصر کے ایک چھوٹے سے قصبے مت غمر میں کیا گیا۔ مت غمر بنیادی طور پر ایک دیہی علاقہ تھا اور یہاں کے رہنے والوں کی اکثریت کاشت کار تھی۔ شہری علاقوں کے مقابلے میں یہاں کے افراد مذہبی احکام کے زیادہ پابند تھے۔ چنانچہ وہ اپنی بچت کسی بنک میں اس لیے نہیں جمع کرتے تھے کہ تجارتی بنک سودی بنیادوں پر کام کرتے ہیں۔ اس تجربہ میں اسلامی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے جرمن کوآپریٹو بینک کے طرز پر ایک ایسا بنک کاری نظام وضع کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو دیہی کاشت کاروں کی مالی ضروریات کو بھی پورا کرسکے اور اسلامی احکام کی خلاف ورزی بھی نہ کرتا ہو۔

مت غمر پروجیکٹ کو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی۔ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۶ء بچت کھاتوں کی رقوم ۲۵ ہزار مصری پونڈ سے بڑھ کر ایک لاکھ ۲۵ ہزار مصری پونڈ ہوگئیں۔ اسی طرح اصل کاری کھاتے میں جمع شدہ رقم ۲۵ ہزار مصری پونڈ سے بڑھ کر ۷۵ ہزار مصری پونڈ ہوگئی۔ اس ابتدائی اور شاندار کامیابی کے باوجود اس پروجیکٹ کو سیاسی اسباب کی بنا پر ترک کردیا گیا۔

[3] اس بنک کا سرکاری عربی نام البنك الاسلامی للتنمية Islamic Development Bank ہے۔

اور کامیابی کے ساتھ چلائے جارہے ہیں جو سود کے بغیر کاروبار کرتے ہیں۔ ان میں سالانہ چند ہزار سے لے کر ۲۰۔۲۵ کروڑ تک کا Turn over کرنے والے ادارے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملک کے دوسرے مقامات پر بھی ایسے اداروں کے قیام کے امکانات پوری طرح موجود ہیں اور اس کے بھی امکانات ہیں کہ ایسے ادارے زیادہ بہتر طریقے سے اور زیادہ بڑے پیمانے پر قائم کیے جائیں۔ البتہ اس کام کو ذرا سلیقے سے صحیح نظم، مناسب تنظیم اور بہتر طریق کار کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو اعتماد ہو اور تحفظ کی زیادہ سے زیادہ ضمانت ملے۔

سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں ایسے کسی ادارے کا امکان کیا ہے؟ اس میں رکاوٹیں اور مشکلات کیا ہیں؟ اور اس سلسلے میں کیا کیا اندیشے ہیں؟

بلاسودی بنک کاری کے امکانات

جہاں تک امکانات کا سوال ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں قابلِ غور ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں دینی شعور میں کمی آئی ہے اور دینی امور کی ادائیگی کے اہتمام میں بھی بڑی کمی آئی ہے تاہم ابھی تک مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو سود اور سودی لین دین کے طریقوں سے بچنا چاہتا ہے۔ اگر ان کے پاس بلاسودی ذرائع موجود ہوں تو وہ اپنی بچت اس میں جمع کرنے کو ترجیح دیں گے بشرطیکہ انھیں اس بات کا اطمینان رہے کہ ان کی جمع پونجی محفوظ رہے گی اور ضرورت کے وقت ان کو اس سے رقم نکالنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ ظاہر ہے ایسے مسلمان بلاسودی ادارے کے فطری اور مضبوط معاون ہوں گے۔ ان کی تعداد ہر سماج اور محلہ میں اتنی ہے کہ ان کو بنیاد بناکر اس طرح کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ ہمارے سماج میں چھوٹے دوکان دار، روزمرّہ کا کاروبار کرتے والے لوگ کافی تعداد میں ہیں۔ ان کی روز کی آمدنی کم ہوتی ہے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچت کرکے کچھ دنوں میں اپنے لیے سرمایہ اکٹھا کریں لہٰذا ان کے نزدیک یہ اہم نہیں ہے کہ انھیں اس پر کتنا سود ملتا ہے بلکہ ان کے لیے اہم یہ ہے کہ ایک شخص ان سے تھوڑی تھوڑی رقم لے کر جمع کردے اور ایک معین مدت کے بعد اس کو واپس کردے۔ حسبِ ضرورت ان کو اپنی رقم نکالنے کی سہولت ہو یا قرض لینے کی اجازت ہو۔ مروّجہ بنک ان کو اس طرح کی بچت پر کوئی زیادہ سود نہیں دیتے۔ اس طرح کی بچت زیادہ تر چٹ فنڈ ٹائپ کے ادارے جمع کرتے ہیں اور اکثر دھوکہ دے کر ان کی بچت لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ سہارا انڈیا، پیرلیس وغیرہ ان چھوٹی

بچتوں سے ہی آج اتنے بڑے ہو گئے ہیں اور ہزاروں کروڑ کا لین دین (Transaction) کرتے ہیں۔ بچت کی اس نوع کے لیے بلاسودی اداروں کی جانب سے اگر کوئی Attractive Scheme پیش کی جائے تو یہ جمع (Deposit) کا ایک بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس میں ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ حصہ دار ہو سکتے ہیں۔

۳۔ سود کے استحصالی پہلوؤں کا ادراک ان لوگوں کو شاید نہیں ہوگا جو اس نظام میں اپنی بچت جمع کرتے ہیں لیکن ان چھوٹے لوگوں کو ضرور ہوتا ہے جو ایک بار اگر کسی طرح اس کی گرفت میں پھنس جاتے ہیں تو دوبارہ اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں پاتے۔ بنکنگ نے مہاجنی پرتھا کے پرانے نظام کو ختم نہیں کیا ہے بلکہ اس کی شکل بدل دی ہے۔ چنانچہ کسان، چھوٹا یا محنت کش کامگار، گھر، تعلیم یا اسی نوع کی کسی غرض سے اگر ایک بار اس نظام کے چکر میں پھنس گیا تو موت اور دیوالیہ پن کے بعد ہی اس کو اس سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ لہٰذا اس نظام کے تحت اپنی بچت جمع کرنے والوں کی تعداد ابتداءً ممکن ہے، کم ہو لیکن اس سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی بلکہ بیش از بیش لوگوں کی خواہش اس طرح کے ادارے سے جڑنے اور فائدہ اٹھانے کی ہی ہوگی۔ یہ بھی ایک فطری بات ہے کہ جب لوگ اس سے قرض لینے آئیں گے تو اپنی بچت بھی جمع کرنے آئیں گے، اس طرح اس نظام کو فطری ارتقاء Natural Extension ملتا رہے گا۔

۴۔ مسلمانوں میں عام لوگ غریب ہیں لیکن کچھ لوگ دولت مند ہیں جن کے پاس وافر سرمایہ ہے۔ ان سے اپیل کی جا سکتی ہے کہ تجرباتی طور پر وہ اپنی بچت کا ایک حصہ اس نظام کے تحت جمع کریں تاکہ لوگ اس کی عملی افادیت سے مستفید ہو سکیں اور ان کی یہ کوشش کامیاب ہو۔

۵۔ ہمارے سماج میں ایک اچھا خاصا درمیانی طبقہ ہے جو اگر بہت زیادہ نہیں تو بہت کم وسائل بھی نہیں رکھتا۔ اس کے اندر آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی زبردست خواہش ہوتی ہے۔ بچوں کی تعلیم، بیٹی کی شادی، مکان کی تعمیر، علاج معالجہ، زکوٰۃ کی ادائیگی اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے یہ طبقہ چھوٹی چھوٹی بچت کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ سماج میں پائی جانے والی اس بچت کو کچھ خاص اسکیم کے تحت بلاسودی ادارے کے دائرے میں لایا جا سکتا ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف اس طرح کے ادارے کو تقویت ملے گی وہیں دوسری طرف حلال طریقے سے لوگوں کو اپنے سماجی اور دینی فرائض کی ادائیگی کا موقع ملے گا۔

مختصر یہ کہ عقیدے کی مضبوط بنیاد پر اٹھنے والی یہ تحریک اس ملک میں کامیابی کے وسیع امکانات رکھتی ہے مگر اس کے لیے مناسب نظم، چست ادارہ، قابلِ اعتبار ٹیم اور ایسے Instruments چاہئیں جو آسان،

نفع بخش اور محفوظ ہوں۔ اس ادارے کے دروازے ہر قوم اور فرقہ کے لیے کھلے ہونے چاہئیں تاکہ اس ادارے کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہوسکے اور مہاجنی سسٹم میں جکڑے سماج کو ایک مناسب متبادل نظام مل سکے۔

رکاوٹیں اور مشکلات

۱۔ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں دینی شعور کی کمی کی وجہ سے سود کی لعنت سے واقف ہونے کے باوجود اس سے بچنے کی جیسی زبردست خواہش ہونی چاہیے، وہ ان میں نہیں ہے۔

۲۔ لوگوں میں حرص و ہوس کچھ اس طرح سمائی ہوئی ہے کہ حلال و حرام کی تمیز اٹھتی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مسلمانوں کا سوادِ اعظم سود سے ویسی نفرت نہیں رکھتا جیسی رکھنی چاہیے۔

۳۔ حالتِ اضطرار کے فتوے نے بھی ایک چور دروازہ کھول دیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے موجودہ نظام کو ناقابلِ تغیر مان کر اس سے استفادے کی راہ نکال لی ہے اور اس جانب سوچنا بھی چھوڑ دیا ہے کہ اس کا کوئی متبادل ہوسکتا ہے۔

۴۔ ایسی کسی کوشش کو کامیاب کرنے کے لیے ملت میں جو آمادگی اور تعاون کا ماحول ہونا چاہیے، اس کا فقدان ہے۔

۵۔ لوگ وقتی اور شخصی فائدہ کو عقیدے اور دوررس فائدے پر ترجیح دینے لگے ہیں۔

۶۔ ہمارا دولت مند، تعلیم یافتہ اور کھاتا پیتا طبقہ اس احساس سے یا تو عاری ہے کہ سود ایک بڑی لعنت ہے، یا پھر اسے ناگزیر برائی مان کر انگیز کرنے کو تیار ہوگیا ہے۔

۷۔ اس نظام کا متبادل ڈھونڈنے کی جو سنجیدہ اور جانکاہ کوشش ہونی چاہیے اس کا ہندوستان میں فقدان ہے۔ مسلمان تاجروں اور سرمایہ داروں کو ایک جگہ جمع ہوکر اپنے عقیدے اور مسلّمات پر مبنی اپنی صنعت و تجارت کی ایسی تنظیم نو کرنی چاہیے تھی جو ایک طرف ان کی ضروریات کی کفیل ہوتی اور دوسری طرف اسلامی تقاضوں کے مطابق ہوتی لیکن اس جانب توجہ نہیں کی جارہی ہے۔

۸۔ مسلمانوں کی کم زوریوں کے علاوہ ملک کے بنکنگ نظام میں ایسے کسی متبادل نظام کے قیام کی اجازت نہیں ہے جس کی وجہ سے باضابطہ ایسا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کمی وجہ سے اس کوشش کو حکومتی سند (National Guarantee) حاصل نہیں ہے۔ یہ بھی اس راہ کی بڑی رکاوٹ ہے۔

۹۔ ملک میں محصول (Taxation) کا اصول بھی اسلامی نظریۂ بنکنگ اور مالیات سے ٹکراتا ہے جس کے سبب لوگوں کو دوہرے گھاٹے کا شبہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ اکاؤنٹنگ سسٹم اور لوگوں کی عام اخلاقی پستی اور اس سلسلے میں کیے گئے بیشتر تجربات کی ناکامی نے لوگوں کے اندر طرح طرح کے اندیشے پیدا کر دئیے ہیں جس کے سبب اس نظام کو قائم کرنے اور چلانے میں مشکل پیش آرہی ہے۔

۱۱۔ جو ادارے بلا سودی بنیاد پر چلائے جا رہے ہیں ان میں معتد بہ کی حالت یہ ہے کہ وہ کلیتہً بلا سودی نہیں ہیں، نیز ان کے طریقے نہ تو بنکنگ ضابطوں کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہیں نہ اسلامی شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہیں، اس لیے اکثر لوگوں کو اس کے جواز میں شبہ ہے۔ اور بعض اوقات شکایت بھی پیدا ہوئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ایسے اداروں سے یا تو جڑنا پسند نہیں کرتے یا پھر اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

لہٰذا ایسی کسی کوشش کو شروع کرنے سے پہلے سابقہ تجربات کو اچھی طرح دیکھنا چاہیے ان کی خامیوں، کمزوریوں اور کمیوں کا گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہیے اور اب جو کوشش ہو اس میں اس بات کا بھرپور لحاظ رکھا جانا چاہیے تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو اور ان کا اعتماد بحال ہو۔

بچت مروجہ بنک کاری میں

مروجہ بنک میں بالعموم تین طرح کی بچت جمع کی جاتی ہے۔

۱۔ **جاری کھاتا، چالو کھاتا** (Current Account) اس کھاتہ میں بچت کرنے والا اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے اور جتنی چاہے رقم جمع کر سکتا ہے اور جب اور جتنی رقم چاہے نکال سکتا ہے۔ چونکہ یہ چالو کھاتا ہے اس لیے بہت سے بنک اس پر کوئی سود نہیں دیتے بلکہ اگر رقم نکالنے کی رفتار کچھ زیادہ ہو تو الگ سے کچھ سروس چارج بھی لیتے ہیں۔ اداروں اور بزنس اسٹیبلشمنٹ کی اکثر رقوم اسی کھاتے میں جمع کی جاتی ہیں تاکہ ان کی روزمرّہ کی ضروریات پوری ہوں۔

۲۔ **بچت کھاتا** (Saving Account): یہ چالو کھاتے کی تھوڑی ترقی یافتہ شکل ہے جس میں جمع کرنے اور رقم نکالنے کی رفتار اتنی تیز نہیں ہوتی بلکہ تھوڑا وقفہ رہتا ہے۔ بنک کے پاس کچھ رقوم اندوختہ کی شکل میں رہتی ہیں۔ ایسے کھاتے پر بنک باقی ماندہ بچت پر بہت تھوڑا

سود ادا کرتا ہے جو ۴٪-۵ سالانہ ہوتی ہے

۳۔ طویل مدتی، میعادی جمع کھاتہ (Term or Fixed Deposit Account)

تیسری طرح کی بچت وہ ہوتی ہے جو معینہ مدت کے لیے جمع کی جاتی ہے، جسے معینہ مدت کے اندر نہیں نکالا جاسکتا اور اگر کوئی اس مدتِ خاص کے اندر نکالتا ہے تو اسے وہ شرحِ سود نہیں دیا جائے گا جو اس مدت میں طے ہے۔ جتنے عرصے کے لیے یہ رقم جمع ہوگی بنک اتنی ہی اونچی شرحِ سود ادا کرے گا۔ مدت کی کمی بیشی سے سود کی شرح کم اور زیادہ ہوتی ہے۔

اول الذکر دونوں کھاتوں میں نقدیت اور تحفظ (Liquidity and safety) دو ایسی وجوہات ہیں جن کے سبب لوگ بنکوں میں اپنا پیسہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ سود کمانا ان کا مقصد نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان دو طرح کی بچت کو اسلامی بنکوں میں جمع کروانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

سارا مسئلہ طویل مدتی کھاتے کا ہے جس میں نقدیت و حفاظت کے ساتھ ساتھ سود کمانا بھی ایک مقصد ہے۔ خاص طور پر جو لوگ کم آمدنی والے ہیں، نوکری پیشہ، ریٹائرڈ اور پنشن یافتہ ہیں وہ ایسی کسی اسکیم کو ترجیح دیتے ہیں۔ فکسڈ ڈپازٹ، بنک کو وہ ضروری وسائل اور استحکام عطا کرتے ہیں جن کی بنیاد پر بنک طویل المیعاد قرضے اور پالیسیاں طے کرتے ہیں۔ بنک بنیادی طور پر روپے کا بیوپاری ہے، جس کا مقصد نفع کمانا ہوتا ہے اور ہر نفع کمانے والے ادارے کی طرح اس کا مقصد بھی زیادہ سے زیادہ استحکام اور پھیلاؤ کے ساتھ نفع اندوزی ہے، جس کے لیے بنک جمع (Bank Deposit) ضروری زمین فراہم کرتا ہے۔ عام طور پر کرنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ میں بنک کے پاس جو رقم جمع ہوتی ہے اگر بنک اس کا 33% نقد کی شکل میں اپنے پاس رکھے تو باقی جمع 67% وہ بازار میں بطورِ قرض دے سکتا ہے۔ طویل مدتی کھاتہ کی جمع رقم اس پر مستزاد ہے۔ مروّجہ بنکوں کو ایک سہولت وہ بھی ہے جس کو تخلیقِ زر (Credit creation) کہتے ہیں، یعنی بنک بغیر کسی جمع کے محض اپنی ساکھ پر بازار میں قرض دیتا ہے اور اس سے نفع کماتا ہے۔ اس طرح بنک کا کاروبار ایک خاص میکنزم کے تحت چلتا ہے، جس کی آفاقیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب کوئی لین دین بنک کے بغیر خصوصیت کے ساتھ بڑے اور کورپوریٹ سکٹرس (Corporate Sectors) میں حکومت اور اس کے اداروں میں بلکہ چھوٹے تجارتی معاملات میں بھی نہیں ہوسکتے۔ اب تو تنخواہیں، پنشن، بھتے اور سفر خرچ بھی بنک سے لیے اور دئے جاتے ہیں۔

اسلامی طریقِ بنک کاری میں جب سود پر مبنی ڈپازٹ کو رد کردیا گیا تو اس کی جگہ پر

مختلف متبادل طریقۂ بچت متعدد ماہرین نے بتائے ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسلامی بنک کاری کے تحت جمع کی گئی بچت نہ تو بغیر لاگت (Cost) ہوتی ہے اور نہ بغیر نفع کے ہوتی ہے۔ سود پر مبنی نظام میں بچت پر سود وقت کے ساتھ پہلے سے متعین مقدار میں ہوتا ہے جب کہ یہاں نفع نہ تو پہلے سے متعین ہوتا ہے اور نہ اس کی شرح طے ہوتی ہے۔ اس میں اس کا گمان رہتا ہے کہ بچت پر کوئی نفع نہ ہو بلکہ کچھ نفع ہو یا کچھ نقصان ہو۔

بچت اسلامی بنک کاری میں

اسلامی بنک کاری کے تحت بچت دو طرح کی ہوتی ہیں۔

۱۔ **مضاربہ اور مشارکہ ڈپیازٹ** : یہ وہ بچت ہوتی ہے جس میں جمع کرنے والا مضاربہ اور مشارکہ کے لیے تیار ہوتا ہے اور بنک کو یہ اختیار دیتا ہے کہ بنک اپنی صوابدید پر کسی کو اس غرض سے قرض دے سکتا ہے جس میں نفع یا نقصان دونوں کا امکان ہے۔ نفع کی صورت میں اس کی جمع رقم کے تناسب سے نفع حاصل ہوگا اور نقصان کی صورت میں بھی اس کا نقصان جمع شدہ رقم کے تناسب میں ہوگا۔ نقصان کسی بھی حال میں جمع شدہ رقم سے زائد نہیں ہوگا۔ مضاربہ ڈپیازٹ کی متعدد شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ڈپیازٹ مدت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ جیسے ایک سال، دو سال وغیرہ یا اس کے ساتھ مشروط ہو سکتی ہے کہ اسے کسی خاص پروجیکٹ یا کام میں لایا جا سکتا ہے یا پھر بنک کو اختیار ہے جس کام میں سمجھے رقم لگا سکتا ہے۔

۲۔ **کرنٹ اور سیونگ ڈپیازٹ** : دوسری طرح کی ڈپازٹ وہ ہے جس کو کرنٹ اور سیونگ ڈپازٹ کہا جاتا ہے۔ اس میں بنک کو کوئی نفع نہیں دینا پڑتا، نہ ہی جمع کرنے والوں کو نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ یہ بالکل کرنٹ یا سیونگ ڈپازٹ کی طرح ہے۔ ایران میں اس طرح کی ڈپازٹ کو پرکشش بنانے کے لیے کچھ تحائف دئے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ایک متعین حد میں مستقل جمع کرنے والوں کو بلاسود overdraft[1] کی سہولت دی جا سکتی ہے۔

شروع میں یہ خیال تھا کہ سود بچت میں اضافہ کا ذریعہ بنتا ہے لیکن بعد کی تحقیقات نے اس

---

[1] زائد از جمع رقم نکالنا۔

مفروضہ کو غلط ثابت کردیا اور متعین طور پر یہ بات سامنے آئی کہ بچت کا اصل محرک آمدنی میں اضافہ ہے۔ اس کے علاوہ متعدد سماجی، معاشی اور نفسیاتی عوامل ہیں جو بچت کو متعین کرتے ہیں، لہٰذا سود کے بغیر بھی نہ صرف یہ کہ بچت ہو سکتی ہے بلکہ اس کو کسی ادارے کے تحت Mobilize کیا جاسکتا ہے لہٰذا اسلامی بنک کاری کے تحت بچت کا جمع کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہاں اس بچت کو استعمال کرنا یا قرض دینا مسئلہ ضرور ہے جس پر خصوصیت کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

قرض

قرض انسانی سماج کی ایک لازمی ضرورت ہے۔ یہ قرض تجارتی اور صنعتی مقاصد کے ساتھ ساتھ زراعت، چھوٹے چھوٹے کاروبار، تعلیم، علاج، شادی اور بیماری وغیرہ کے لیے لئے جاتے ہیں۔ آج کل ضروریاتِ زندگی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، بازار میں نئی نئی چیزیں آرہی ہیں۔ لہٰذا پائیدار اشیاءِ صرف (Consumer durables) کے لیے بھی قرض لیے جاتے ہیں۔ فرد سے لے کر حکومت تک سبھی قرض لیتے ہیں۔ گاؤں کے مہاجن سے لے کر بین الاقوامی اداروں تک قرض دینے والوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔

اسلامی بنک کاری کے تحت سود لینا اور دینا ممنوع ہے۔ اصولی طور پر اسلامی بنک کاری کے تحت دو ہی طریقے سے قرض دئے جاتے ہیں۔

قرضِ حسنہ: یہ قرض روزمرہ کی ہنگامی ضروریات کے لیے بلاسود دئے جاتے ہیں، جس میں دوا علاج، شادی بیاہ، بیماری اور تعلیم کے لیے قرض شامل ہیں۔ چھوٹے کاروبار کو وقتی طور پر چھوٹی رقم بلاسود دی جاسکتی ہے۔ اس طرح کے قرض پر زیادہ سے زیادہ حقِ خدمت لینے کی بات کہی گئی ہے جو واجبی اور حقیقی خرچ سے زائد نہ ہو۔ حقِ خدمت (Service charge) کا مسئلہ بالخصوص اس کے حساب (Costing) کا طریقہ کیا ہو قابلِ گفتگو (Debatable) ہے[1]

---

[1] حقِ خدمت کے بارے میں اسلامی ڈیولپمنٹ بنک نے اسلامی کانفرنس تنظیم کی قائم کردہ اسلامی فقہ اکادمی کو ایک استفسار بھیجا۔ اس کے جواب میں اسلامی فقہ اکادمی نے اپنے تیسرے اجلاس منعقدہ ۱۱ تا ۱۶، اکتوبر ۱۹۸۶ء میں یہ فیصلہ کیا کہ کسی اسلامی بنک کے لیے قرضوں پر آنے والے انتظامی اخراجات پورے

مضاربہ: اس کے تحت بنک کسی کاروبار یا پروجیکٹ میں اس شرط کے ساتھ سرمایہ لگاتا ہے کہ وہ اس کے حاصل شدہ نفع یا نقصان میں حصہ دار ہوگا۔ یہ سود کا مناسب متبادل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن موجودہ ماحول میں لوگوں کی اخلاقی حالت، ٹیکس سسٹم اور مناسب اکاؤنٹنگ سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے بنک اس طرح کے قرض دینے سے بالعموم گریز کرتا ہے جو اس پورے پروسس کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ مختلف ماہرین اور کمیٹیوں نے اس درمیانی مدت تک کے لیئے جب تک کہ مضاربت کے اصول پر مبنی بنکاری کا پورا نظام قائم و نافذ نہیں ہوجاتا ہے مندرجہ ذیل بلاسودی طریقۂ قرض کو اختیار کرنے کی سفارش کی ہے۔ جس میں مرابحہ، بیعِ موجّل، بیع سلم، مشارکہ، لیزنگ وغیرہ خاص ہیں۔

(الف) **مرابحہ:** جسے عرفِ عام میں Cost plus یا Mark up بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت اگر کوئی شخص یا پارٹی بنک سے کوئی سامان خریدنا چاہتا ہے تو بنک وہ سامان خرید کر اس شخص یا پارٹی کو زیادہ لاگت پر جو ایک طرح سے معلوم منافع ہوتا ہے سپلائی کرتا ہے[1] پارٹی اس کی قیمت ایک بار یا بعد میں متعیّن وقت پر یا قسطوں میں جمع کر سکتی ہے۔ اگرچہ یہ مقبولِ عام طریقہ ہے لیکن مختلف اتھارٹیز نے اس پر طرح طرح کے سوالات اٹھائے ہیں۔

(ب) **بیع موجل:** یہ بھی مرابحہ کی ایک شکل ہے جس میں بنک کے ذریعہ تجارتی اشیاء کی خرید کی جاتی ہے اور اس کو قرض پر کلائنٹ کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ کلائنٹ مستقبل کی کسی متعینہ تاریخ میں ایک بار یا قسطوں پر اس رقم کو ادا کرتا ہے۔ بیعِ موجل میں خریدی

ے کرنے کے لیے حقِ خدمت لینا جائز ہے لیکن اس صراحت کے ساتھ کہ حقِ خدمت ان اخراجات پر مبنی ہو جو واقعی کیے گئے ہیں، اگر حقِ خدمت واقعی اخراجات سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے تو یہ ربا کی تعریف میں آئے گا اور اصلاً حرام ہوگا خیال رہے کہ اس طرح حقِ خدمت صرف سال کے آخر میں ہی نکالا جا سکتا ہے کیونکہ واقعی انتظامی اخراجات سال کے دوران نہیں معلوم ہو سکتے۔

[1] مرابحہ کی صورت میں بنک پارٹی کو یہ بتلائے گا کہ اس نے کتنی قیمت پر سامان خریدا ہے اور کتنا منافع لے کر سامان فروخت کرے گا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مذکورہ سامان بنک کی اپنی ملکیت ہو، اس پر اسے قبضۂ مالکانہ حاصل ہو۔ مارک اپ کی شرح مقدار کیا ہوگی؟ کیا یہ سود کے مشابہ نہیں ہے اور سود کے لیے چور دروازہ نہیں کھولتی؟ لہٰذا لوگوں نے اس کو احتیاط کے ساتھ اور مختصر مقدار میں ناگزیر صورتوں میں ہی اپنانے کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ بظاہر شرعی اصول سے اس کا ٹکراؤ نہیں ہے۔

گئی اشیاء کی قیمت اس کی قیمت کے عین مطابق یا زائد اور کم بھی ہوسکتی ہے۔

(ج) **بیع سلم** : بیع سلم کے تحت کلائنٹ بنک کو شئے مخصوص کی قیمت ایڈوانس جمع کرسکتا ہے اور بنک اس کو کسی متعین وقت کے اندر بعد میں اسے وہ چیز فراہم کرتا ہے۔ یہ بھی مرابحہ کے تحت آتی ہے، جس میں بنک اپنا سروس کوسٹ یا منافع لے سکتا ہے۔

(د) **مشارکۃ** : اس کے تحت بنک تجارت میں Active Partner کی حیثیت سے سرمایہ کاری کرتا ہے یعنی تجارتی فیصلوں اور اس کے نفاذ میں اس کی عملی شمولیت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ نفع اور نقصان میں پوری طرح شریک ہوتا ہے۔

(ہ) **لیزنگ** : لیزنگ ایک جدید طریقہ ہے جس کے تحت طویل المیعاد قرضے دیے جاتے ہیں اور یہ صنعتی ملکوں میں بہت مقبول ہے۔ لیزنگ دو طرح کے ہیں :

- Finance lease یا Full pay out lease
- Operative lease یا Non-Full Payment Lease

Finance lease: یہ ایک معاہدہ (Contract) ہے جو Lesser اور Lessee کے درمیان ہوتا ہے۔ صنعت کار یا وینڈر جس مخصوص اثاثہ (Asset) کی خریداری چاہتا ہے اس کو خرید کر کرایہ پر دے دیا جاتا ہے۔ لیسر کے پاس اس سامان کی ملکیت ہوتی ہے تاہم لیسی اس کو اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرسکتا ہے۔ اس کا کرایہ اس طرح طے کیا جاتا ہے کہ اس پر خرچ کی بنیادی رقم حاصل ہو جائے، ساتھ ہی اس میں نفع کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ متعینہ مدت کے بعد لیسر دوسرے فرد یا ادارے کو یا پھر اسی فرد یا ادارے کو مزید لیز پر دے سکتا ہے۔ لیز کی مدت ۵ سے ۱۵ سال تک کی ہوتی ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے۔ کسی اسکول کو اپنے بچوں کی آمد و رفت کے لیے ایک بس کی ضرورت ہے۔ مگر اس کے پاس سرمایہ نہیں ہے کہ بس خرید سکے۔ اسکول اس کے لیے بنک سے رابطہ کرتا ہے۔ بنک اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کرتا ہے۔ اول بس کی قیمت کیا ہے؟ دوم اسکول کی کرایہ دینے کی سکت کیا ہے۔ ماہانہ، سہ ماہی یا ششماہی وغیرہ؟ سوم یہ کہ بس کی قیمت اور نفع کی مجموعی رقم کی واپسی کتنے دنوں میں ہوگی؟ چہارم بس کی مدتِ حیات (Useful life) کتنی ہے؟ اس میں Depreciation یعنی Wear & Tear کس طرح کی ہوگی؟ پنجم لیز کتنی مدت کے لیے ہوگی؟ اور ان باتوں

کا تعین کرکے بنک یا کوئی بھی Leasing Company بس خرید کر اسکول کے حوالہ کر دیتی ہے اور جب مجموعی رقم یعنی لاگت اور منافع حاصل ہو جاتا ہے تو بنک یا کمپنی بس کی حقِ ملکیت اسکول کو منتقل کر دیتی ہے، اگر بنک سے اس قسم کا معاہدہ ہوا ہے، بصورتِ دیگر بس کا حق ملکیت بنک یا لیزنگ کمپنی (Leasing Company) کو واپس ہو جائے گی اور بنک خود اسی اسکول کو یا دیگر اسکول اور ادارہ کو مزید لیز پر دے سکتا ہے یا اسے کسی دوسرے فرد کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔

Operative Lease: یہ مختصر مدت کے Hire purchase کی طرح ہے جسے Non-fullpayment lease بھی کہتے ہیں۔ اس کا کرایہ اس طرح طے ہوتا ہے کہ اس سے پوری رقم واپس نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر کسی ادارے کو صرف تین ماہ کے لیے کمپیوٹر کی ضرورت ہے جس کا کرایہ ادارہ کے لیے دس ہزار روپے ماہانہ دینا ہی مناسب حال ہے۔ اس طرح تین ماہ کے کرایہ سے تیس ہزار روپے کی آمدنی ہوتی ہے جب کہ کمپیوٹر کی قیمت پچاس ہزار روپے ہے۔ لیسر اس صورت میں اس کو بیچ کر یا پھر سے لیز پر دے کر اس کی پوری رقم حاصل کرتا ہے۔ کمپیوٹر، موٹر کار، فوٹو کو پیر اور اس طرح کی چیزیں اس کے تحت دی جا سکتی ہیں۔ اس کے تحت طویل اور درمیانی مدّت کے لیے فائننسنگ ہو سکتی ہے۔ جس سے بنک کو مناسب نفع مل سکتا ہے۔ اس کے لیے بنک کو فرم کا حساب کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیزنگ کو شریعت کے مطابق ہونے کے لیے انشورنس لاگت لیسر کو ادا کرنا چاہیے۔

(۵) Hire-purchase [۱] اس کو شرعی اصطلاح میں اجارہ واقتناء کہا جاتا ہے۔

---

[۱] Hire-purchase کو Decreasing property یا Leasing with option to sell بھی کہا جاتا ہے۔ لیزنگ اور ہائر پرچیز میں دو بنیادی فرق ہیں۔ پہلا: ہائر پرچیز کے مقابلے میں لیزنگ کی مدت زیادہ ہوتی ہے دوسرا: ہائر پرچیز میں ادائیگی بالاقساط کے اختتام پر سامان کی ملکیت خریدنے والے کے حق میں یعنی جو شخص اس سامان کا مصرف لے رہا ہے، اس کے حق میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جب کہ لیز میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ لیزنگ کی صورت میں ملکیت منتقل ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ عام حالات میں لیسر کی حقِ ملکیت لیسر کے پاس رہتی ہے جب تک کہ از روئے معاہدہ وہ لیسی کو منتقل نہ ہو۔

یہ بنک اور کلائنٹ کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس کے تحت بنک اپنے کلائنٹ کے لیے کسی سامان مثلاً مکان، مشین یا پائدار اشیا صرف (Consumer durables) وغیرہ خریدنے کے لیے آمادہ ہوجاتا ہے۔ بنک اس کی قیمت کلائنٹ سے قسطوں میں وصول کرتا ہے جس میں نفع کی مقدار شامل ہوتی ہے۔ طے شدہ مدت کے بعد جب ساری قسطیں ادا ہوجاتی ہیں تو کلائنٹ اس سامان کا کلّی مالک ہوجاتا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان (Council of Islamic Ideology,Pakistan) نے ان معروف ذرائع کے علاوہ (۱) Financing on the basis of normal rate of return (۲) Time Multiple Counter Loan (۳) Special loans facility وغیرہ کی سفارش پیش کی ہے جو اس طرح ہے۔

۱۔ Normal Rate of Return: اس کا تصور یہ ہے کہ ایک ادارہ کام کررہا ہے اور اسے منافع بھی حاصل ہورہا ہے۔ اب اگر اسے قرض کی ضرورت پڑتی ہے تو بنک یا Specialised agency اسے Normal rate of profit پر قرض دے سکتا ہے، جس میں اس بات کی گنجائش ہوگی کہ اگر نفع کی عام شرح زیادہ ہو تو فرم از خود زیادہ نفع Credit agency کو دے اور اگر کم ہو یا کسی وجہ سے گھاٹا ہوگیا ہو تو ایجنسی کو ایسا ثبوت فراہم کرے جس سے اس کی تصدیق ہوجائے اس صورت میں ایجنسی کم نفع یا گھاٹے پر راضی ہوگی۔

بظاہر یہ طریقہ شریعت سے نہیں ٹکراتا ہے لیکن لوگوں کی موجودہ اخلاقی حالت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ از خود زیادہ نفع کا ایک حصہ بنک کو دیں گے، محال ہے۔ اسی طرح کم منافع یا نقصان کی صورت میں بنک کا اس پر راضی ہونا مشکل ہوگا۔ اس لیے اس کا اندیشہ ہے کہ اگر اس طرز کی سرمایہ کاری (Financing) کی بڑے پیمانے پر اجازت دی گئی تو یہ سود میں تبدیل ہوجائے گا۔ اس کے لیے اولاً تو اس قسم کے قرضوں کو صرف چھوٹے کاروبار تک محدود رکھا جائے جن کا حساب کتاب باضابطہ نہیں جاتا اور نہ آڈٹ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی کھیلا اور دباؤ نہ پڑے اس کے لیے ضروری ہے کہ جو ایجنسی ایسے قرض دیتی ہے وہ تجارتی صورتِ حال پر پوری نظر رکھے اور وقتاً فوقتاً Normal rate of return میں ہونے والی تبدیلیوں سے لوگوں کو مطلع کرتی رہے تاکہ غیر ضروری مشکلات سے بچا جاسکے۔

۲ - Multiple Counter Loan یہ ایک آسان اور مناسب تجویز ہے۔ اس تجویز کے تحت، مان لیجئے ایک شخص بنک سے ایک سو روپے قرض لیتا ہے جو تین مہینے کے اندر اسے لوٹانے ہیں۔ بنک اس قرض کے عوض اس سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے نام سے بنک میں ایک کھاتہ کھولے جس میں دس روپے جمع کردے۔ یہ رقم اس کو ۲۰ ماہ کے بعد ادا کی جائے گی۔ جس شخص نے بنک سے قرض لیا، چاہے وہ جس مقصد کے لیے ہو، اسے بنک کو کوئی نفع نہیں دینا ہے اور نہ بنک اس کے نقصان میں حصہ دار ہوگا۔ اسی طرح متعینہ مدت کے بعد جب بنک اس کو یہ رقم لوٹائے گا تو اس پر بھی کوئی نفع نہیں دیا جائے گا۔ اس طرح کے قرض شخصی اور غیر پیداواری مقاصد کے لیے دئے جاسکتے ہیں۔

۳ - Special Loan Facility: یہ تجویز ان سرکاری اداروں کے لیے ہے جن کو نفع نقصان شراکت (Profit Loss Sharing) یا کسی اور طریقے کے تحت نہیں لایا جاسکتا۔ مثلاً عوامی فلاح کے لیے حکومت کی جانب سے غلہ خریدنے کی تجویز، تاکہ غلہ کی سپلائی اور قیمت میں استحکام لایا جائے۔ لیکن میرے خیال سے اس کو تجارتی اداروں تک بھی وسعت دی جاسکتی ہے۔ اسے خاص موقعوں اور خاص کام کے لیے جو انتہائی مختصر مدت کے لیے ہوں، اس اسکیم کے تحت قرض دئے جاسکتے ہیں جن کا بنک سے اچھا رشتہ ہو اور جو بنک کے مستقل اور قابل اعتماد کلائنٹ ہوں اسے ایک طرح کے Overdraft کی شکل دی جاسکتی ہے جس پر بنک کوئی منافع نہیں لے گا اور نہ گھاٹے میں شریک ہوگا۔ اس کی مقدار اور مدت کیا ہوگی یہ بنک اور کلائنٹ کے باہمی رشتہ پر منحصر ہوگی۔

مندرجہ بالا جو بھی طریقہ تجویز کیا گیا ہے اس کے لیے ایک بنیادی شرط ہے کہ لوگوں کے اندر working honesty ہو، ورنہ یہ اسکیم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ چونکہ لوگوں کی عام اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے اس لیے دھوکہ دھڑی، بے ایمانی، وقت پر عدم ادائیگی یا بالکلیہ عدم ادائیگی وغیرہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے سسٹم کو فول پروف بنانے کی ضرورت ہوگی۔ اگر لوگوں کی اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے اور ہم اس اسکیم کو اس وقت تک موخر نہیں کرسکتے جب تک لوگوں کی اخلاقی حالت درست نہ ہوجائے تو اس صورت میں میکنزم ایسی بنانی ہوگی کہ یہ اسکیم تمام تر دھاندھلیوں، دھوکہ دھڑیوں اور بے ایمانیوں کے ماحول میں اتنی shock absorbing ہو کہ اس طرح کے جھٹکوں کو برداشت کرتے

ہوئے کام کرسکے۔

تجاویز

سود کے نقصان اور مہاجنی استحصال سے سبھی واقف ہیں اور کبھی کبھی اس کے خلاف آوازیں بھی اٹھتی ہیں۔ہندوستان میں مہاجنی سسٹم کے استحصالی طریقوں کی روک تھام کے لیے متعدد قانون ریاستی حکومتوں نے بنائے ہیں۔لیکن ان سب کے باوجود آج بھی یہ سسٹم قائم ہے اور شہروں اور دیہاتوں میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد سرکاری اور بنکنگ سسٹم کی پیچیدگیوں کی وجہ سے اپنی روزمرہ کی ضروریات مثلاً دوا علاج، شادی بیاہ، زراعت، تجارت، چھوٹے کاروبار، تعلیم، وقتی اور ہنگامی مقاصد کے لیے اس نظام سے ہی ضروری وسائل فراہم کرتے ہیں۔

بنکنگ سسٹم نے مہاجنی سسٹم کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کی صورت بدل دی اور اسے زیادہ منظم اور بڑے پیمانے پر پھیلا دیا۔ہندوستان میں بنکوں کا قیام انگریزوں نے کیا تھا جو ابتداء میں بڑے بڑے شہروں تک محدود تھے۔آزادی کے بعد اس میں کچھ سماجی پہلوؤں کو بھی جوڑا گیا۔۱۹۶۹ء میں بنکوں کے قومیانے کے بعد اس کے کاموں اور مقاصد میں تبدیلی آئی جو کئی پہلوؤں سے خوش کن ہے، لیکن سود کے استحصالی انداز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔حالیہ دنوں میں آندھرا پردیش، کیرلہ اور مہاراشٹر میں کپاس کے کسانوں کے ذریعہ خودکشی کے واقعات اس کا بین ثبوت ہیں۔ہمارے یہاں بہت سے NGOs ہیں لیکن کسی نے اس پہلو سے اس کا جائزہ نہیں لیا اور نہ صحافیوں نے اس پر کوئی تبصرہ کیا نہ کسی مسلمان سیاسی رہنما نے اس پر توجہ دلائی کہ ان کسانوں کا سود معاف کر دیا جاتا تو شاید ان کی جان بچ جاتی۔ہمارے یہاں لوگ دو انتہاؤں کے درمیان جیتے ہیں کبھی تو کسان کو پوری رقم معاف کر دینے کی بات کی جاتی ہے جس سے بنکنگ نظام کو زبردست دھکا لگتا ہے اور کبھی غیر ضروری سبسڈی دی جاتی ہے جو ان لوگوں تک بھی پہنچ نہیں پاتی۔حکومت یہ سب نہ کرکے اگر پہلے مرحلہ میں بلاسودی قرضہ کا انتظام کرے تو معیشت پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور کسانوں کو بھی واقعی راحت ملے گی۔لہٰذا اس سلسلے میں رائے عامہ ہموار کرنے کی مہم (Mass awakening Campaign) چلانے کی ضرورت ہے تاکہ لوگ سود کے استحصال بالخصوص

بنکوں کے استحصالی رول سے آگاہ ہوسکیں اور اس کا متبادل ڈھونڈنے پر آمادہ ہوں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا، مسلمان اپنے عقیدے کی وجہ سے سود سے نفرت کرتے ہیں اور فی الواقع وہ سودی لین سے بچنا چاہتے ہیں۔ لیکن کہیں تو قانونی مجبوری اور کہیں کوئی متبادل صورت نہ ہونے کے سبب وہ تجارتی اور دیگر مقاصد کے تحت سود لینے اور دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں جہاں ایک طرف سود کی شرعی حیثیت سے لوگوں کو بڑے پیمانے پر آگاہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس سے نفرت میں شدت پیدا ہو، وہیں اس کے متبادل کے لیے جانکاہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی ضروریات پوری ہونے کا راستہ کھلا رہے۔

جو بھی بلاسودی ادارے قائم ہیں ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک تاریخ ساز خدمت انجام دے رہے ہیں لہٰذا ان کو اپنی ڈیلنگ، انوسٹمنٹ وغیرہ میں شفافیت (Transparency) برتنی چاہیے تاکہ لوگوں کو محسوس ہو کہ ان کا استحصال نہیں ہو رہا ہے اور یہ ادارہ صحت مند اسلامی خطوط پر چل رہا ہے۔

کوئی نظام اسی وقت قابلِ قبول ہوتا ہے جب وہ مروّجہ نظام کے برابر ہو یعنی اگر لوگوں کو اس میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی تو بدتری بھی نہ ہو Status-quo بنا رہے تو اسے عقیدے کی قوت سے چلایا جا سکتا ہے، لیکن اسے مقبول بنانے کے لیے مروّجہ سسٹم سے اس نظام کا بہتر ہونا ضروری ہے۔ اصولی حیثیت سے مضاربہ پر مبنی بنکنگ سسٹم نفع اور نقصان دونوں پہلوؤں کی بات کرتا ہے لیکن عام طور پر لوگ اس طرح کے جوکھم اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ دراصل یہ ہماری ذہانت اور صلاحیت کا امتحان ہے کہ ہم بلاسودی اداروں کو چلاتے ہوئے ایسے Instrument تلاش کریں اور ایسی کارکردگی کا مظاہرہ کریں کہ عوام الناس کے اندر یہ یقین ہو جائے کہ سود کے بغیر بھی ان کا سرمایہ محفوظ رہتے ہوئے انھیں قابلِ لحاظ نفع مل سکتا ہے[1] کیونکہ اس نظام میں سرمایہ کی لاگت نہیں ہوتی ہے،

---

[1] اسلامی بنکوں کے اب تک جو تجربات ہیں اس میں کچھ کو چھوڑ کر باقی سبھوں نے اچھے Track Record کا ثبوت دیا اور ان کے ذریعہ سے Depositors کو دیا گیا نفع بیشتر مواقع پر سود کی شرح سے زیادہ ہے۔

یعنی سرمایہ پر متعین شرحِ سود نہیں دینا پڑتا۔ سرمایہ محض نفع کی امید پر لگایا جاتا ہے لہٰذا پیداواری لاگت میں سود کی رقم شامل نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے چیزوں کی پیداواری لاگت کم ہوتی ہے۔ چیزیں سستی ہونے سے ان کی مانگ زیادہ ہوتی ہے۔ زیادہ مانگ کی وجہ سے پیداوار اور نفع زیادہ ہوتا ہے، اس لیے حصہ داروں کو نفع کا حصہ زیادہ ملتا ہے۔

ہندوستان میں سماجی اور سیاسی طور پر ایسی مہم چلانے کی ضرورت ہے تاکہ حکومت اور ریزرو بنک مروّجہ بنکنگ قانون میں یہ گنجائش پیدا کرنے کے لیے تیار ہو جائے کہ جو افراد اور ادارے بغیر سود کے بنک کھولنا چاہیں انھیں اس کی اجازت دی جائے اور اس طرح کے اداروں کے کاروبار کو دیکھنے اور اس کا نظم کرنے کے لیے ریزرو بنک کے تحت الگ سیل بنایا جائے، کیونکہ دستور میں دفعہ ۲۵ تا ۱۲ا اقلیتوں کو دیئے گئے بنیادی حقوق کا ایک حصہ ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور تہذیب کی حفاظت کے ساتھ عام قومی زندگی میں شریک ہو سکیں۔ ریزرو بنک کو یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ اس سے بنکنگ سکٹر کا پھیلاؤ ہوگا اور وہ طبقہ جو اب بھی اس وجہ سے بنکنگ سکٹر سے جڑا ہوا نہیں ہے، وہ اس سے جڑے گا اور اس طبقہ کی بچت بھی شامل ہوگی۔ اس صورت میں ملک کی مالیاتی پالیسی (Monetary policy) زیادہ مؤثر ڈھنگ سے نافذ ہوگی اور ملک کا مالیاتی نظام زیادہ مضبوط و مستحکم ہوگا۔ مغربی ملکوں میں مسلمانوں نے زیادہ مؤثر طور پر یہ بات محسوس کرائی ہے جس کے نتیجے میں ان ملکوں میں ان بنکوں کو سنٹرل بنک کا (Cover) تو نہیں ملا ہے لیکن ان کو کھولنے کی اجازت بعض شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے اور کچھ بنکوں نے بلاسودی کاؤنٹر اور مضاربہ سرٹیفکٹ جاری کیے ہیں جس میں لندن کا مشہور گرینڈ لیز بنک (Grindlays Bank) شامل ہے۔ اور بھی کئی بنک ہیں جو تیزی سے اس طرح کے آلے (Instruments) اپنا رہے ہیں اور اسلامی بنکوں سے Corresponding Service اور دیگر ذرائع سے رابطہ بڑھا رہے ہیں۔ جو چیز باہر کے ملکوں میں ہو سکتی ہے ہندوستان میں کیوں نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں ہر جانب سے Concerted effort کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے بنک کا قیام مسلمانوں کے ملّی ایجنڈے اور سرکار سے مطالبے کا ایک حصہ ہونا چاہیے۔

جس مقام پر بھی اس طرح کے ادارے کھولے جائیں ان میں جہاں اس نظام سے عقیدے کی حد تک تعلق رکھنے والے افراد شریک ہوں وہیں اس میں علاقے کے

اچھے علماء، بینکر، انجینیر، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ، ماہرین معاشیات اور فائنانشیل منیجمنٹ کے ماہرین، بڑے تاجروں اور صنعت کاروں وغیرہ کو شامل کرنا چاہیے۔ اب اس موضوع پر دنیا میں کافی کام ہو چکا ہے اور بہت تجربات ہو چکے ہیں۔ نئے تجربے کے کون کون سے کمزور پہلو ہیں وہ بھی کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ اس لیے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے پوری احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانے کی ضرورت ہوگی۔ ایک بار اگر لوگوں کو اعتبار ہو گیا اور یہ اعتماد بحال رہا تو مجبوری میں بعض ناگوار چیزوں کو انگیز کرتے ہوئے بھی اس نظام کو چلایا جا سکتا ہے۔ ضرورت ہے Dedicated team spirit کی اور موثر تنظیم اور مناسب Instrument کی۔

یہ موضوع طویل ہے تاہم اس مختصر سے مقالے میں جو چند نکات اٹھائے گئے ہیں وہ قابل توجہ ہیں۔ ہمیں اللہ کا نام لے کر اپنی کوشش جاری رکھنی چاہئے اور اس کا یہ وعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت: ٦٩) (اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے)

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی پیش کش

قرآن اہلِ کتاب اور مسلمان

از

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے اس مفصل تذکرہ کا کیا مقصد ہے اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و نصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اس کتاب میں انہی اہم موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

عمدہ کاغذ، دیدہ زیب سرورق، آفسٹ کی حسین طباعت۔ صفحات: ۲۹٦ ، قیمت : ۷۰ روپے

ملنے کے پتے: (۱) مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ - ۱

(۲) مرکزی مکتبہ اسلامی - ۱۳۵۳ - چتلی قبر - دہلی - ٦